ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 1918

Program: BS Islamic Studies

Semester: Autumn 2026

WhatsApp Orders: +92 324 5836626

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس :مطالعہ نصوص(1918)

سطح :بی ایس علوم اسلامیہ

سمسٹر :خزاں2026

امتحانی مشق نمبر 1 یونٹ نمبر 1 تا(5

کل نمبر • 100 :کامیابی کے نمبر50 :

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

)مطالعہ و حوالہ کے لیے(

نوٹ :یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹوں کا مطالعہ کریں، مفاہیم کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔

سوال نمبر :1 سورۃ آل عمران میں توحید باری تعالیٰ کی اہم صفات 20) نمبر(

سوال نمبر :1 توحید باری تعالیٰ کی وہ کون کون سی اہم صفات ہیں جو سورۃ آل عمران میں بیان کی گئی ہیں؟ ان صفات کی اہمیت اور مقاصد پر ایک تفصیلی نوٹ لکھیں۔

تعارف

توحید اسلام کا بنیادی عقیدہ اور تمام انبیاء کی دعوت کا محور ہے۔ قرآن مجید کی ہر سورت کسی نہ کسی انداز میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی صفات کی طرف متوجہ کرتی ہے، لیکن سورۃ آل عمران کو اس اعتبار سے خاص مقام حاصل ہے کہ اس کا آغاز ہی اللہ تعالیٰ کی عظیم صفات کے بیان سے ہوتا ہے اور اس میں اہل کتاب، خصوصاً عیسائیوں کے ساتھ مکالمے کے پس منظر میں توحید کی مدلل وضاحت کی گئی ہے۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ کو اس کی ایسی صفات

کے ساتھ یاد کیا گیا ہے جو بندے کے دل میں خشیت، محبت، توکل اور اطاعت کا جذبہ پیدا کرتی ہیں۔ ان صفات کا محض ذہنی علم کافی نہیں، بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے خالق کو پہچانے، شرک کی ہر صورت سے بچے اور اپنی عملی زندگی کو اسی واحد معبود کی رضا کے تابع کر دے۔ ذیل میں پہلے وہ اہم صفات بیان کی جاتی ہیں جو سورۃ آل عمران میں نمایاں طور پر آئی ہیں، پھر ان کی اہمیت اور مقاصد پر تفصیلی روشنی ڈالی جاتی ہے۔

سورۃ آل عمران کا تعارف اور صفات باری کا سیاق

سورۃ آل عمران قرآن مجید کی تیسری اور مدنی سورت ہے۔ اس کا بڑا حصہ غزوہ احد کے بعد کے حالات، اہل کتاب کے ساتھ مباحثے اور مسلمان جماعت کی تربیت پر مشتمل ہے۔ سورت کے آغاز میں ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ہمیشہ زندہ ہے اور کائنات کا انتظام سنبھالنے والا ہے۔ اسی طرح سورت میں دعا سکھائی گئی ہے کہ اے ہمارے رب !ہمارے دلوں کو ہدایت کے بعد ٹیڑھا نہ کرنا اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا کرنا۔ یہ انداز ظاہر کرتا ہے کہ صفات باری کا بیان یہاں خشک فلسفیانہ بحث نہیں بلکہ دعا، ایمان اور عمل کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اس سورت میں توحید کا بیان اس لیے بھی مفصل ہے کہ نجران کے عیسائی وفد کے ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مکالمہ انہی مضامین سے متعلق تھا، لہٰذا تثلیث اور ابنیت کے عقائد کی تردید دلائل کے ساتھ کی گئی اور اللہ کی صفات کو واضح کیا گیا۔

صفت حیات اور قیومیت

سورت کی دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کو الحی القیوم کہا گیا ہے۔ الحی کا مطلب ہے وہ ذات جو ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گی، جس کی حیات کامل ہے، نہ اسے نیند آتی ہے، نہ اونگھ اور نہ موت۔ انسانی زندگی ناقص اور محتاج ہے، لیکن اللہ کی حیات کسی سبب کی محتاج نہیں۔ القیوم کا مطلب ہے خود قائم رہنے والا اور دوسروں کو قائم رکھنے والا، یعنی پوری کائنات کا نظام اسی کی تدبیر سے چل رہا ہے۔ یہ صفت بندے کے اندر یہ یقین پیدا کرتی ہے کہ جس رب کی وہ عبادت کرتا ہے وہ غائب یا بے خبر نہیں، بلکہ ہر لمحہ اپنے بندوں کے احوال سے واقف اور ان کی نگرانی فرمانے والا ہے۔ اسی یقین سے نماز میں خشوع، مصیبت میں صبر اور تنہائی میں گناہ سے اجتناب پیدا ہوتا ہے۔

وحدانیت اور عدل کے ساتھ قیام

آیت نمبر 18 میں فرمایا گیا کہ اللہ نے خود گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور فرشتوں اور اہل علم نے بھی گواہی دی، اور وہ عدل کے ساتھ قائم ہے۔ یہ آیت توحید کی مضبوط ترین دلیلوں میں سے ہے۔ اس میں ایک طرف اللہ کی وحدانیت کا اعلان ہے اور دوسری طرف یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ کا نظام عدل پر قائم ہے، وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ یہ صفت اس باطل تصور کی بھی نفی کرتی ہے کہ کائنات کسی بے مقصد کھیل کا نتیجہ ہے۔ جب بندہ یہ جانتا ہے کہ اس کا رب عادل ہے تو وہ نہ کسی پر ظلم کرتا ہے اور نہ مظلوم ہونے کی صورت میں مایوس ہوتا ہے، کیونکہ اسے یقین ہوتا ہے کہ عادل حاکم کے یہاں ہر حق کا بدلہ ضرور ملے گا۔ یہی عقیدہ معاشرے میں انصاف کی بنیاد بنتا ہے۔

علم محیط

سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کے کامل علم کو بار بار بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے کہ زمین اور آسمان میں کوئی چیز اللہ سے پوشیدہ نہیں، وہ ماں کے پیٹ میں جس طرح چاہتا ہے صورت بناتا ہے، دلوں کے راز جانتا ہے اور انسان جو کچھ چھپاتا یا ظاہر کرتا ہے سب اس کے علم میں ہے۔ علم کی یہ وسعت شرک کے تصور کو جڑ سے کاٹتی ہے، کیونکہ جو ذات خود سننے، دیکھنے اور جاننے کی محتاج ہو وہ معبود نہیں ہو سکتی۔ اللہ کے علم محیط کا عقیدہ انسان کو ظاہری نیکی کے ساتھ باطنی اصلاح کی طرف بھی لے جاتا ہے۔ وہ دکھاوے سے بچتا ہے، نیت کی درستی کی فکر کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اعمال کی اصل قدر اللہ کے نزدیک ان کے اخلاص پر ہے، لوگوں کی واہ واہ پر نہیں۔

قدرت کاملہ اور ملکیت

آیت نمبر 26 اور 27 میں اللہ تعالیٰ کو مالک الملک کہا گیا ہے کہ وہ جسے چاہتا ہے حکومت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے، جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت، رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے، بے جان سے جاندار اور جاندار سے بے جان پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔ یہ آیات اللہ کی قدرت کاملہ اور مطلق ملکیت کا اعلان ہیں۔ اس سے سبق ملتا ہے کہ اقتدار، عزت اور رزق کے اسباب اگرچہ اختیار کیے جائیں گے مگر ان کا اصل مالک اللہ ہے۔ اس عقیدے سے تکبر ختم ہوتا ہے، اقتدار کے نشے سے بچاؤ ہوتا ہے اور محروم

انسان کے دل میں یہ امید رہتی ہے کہ اسباب کے پیچھے اصل مسبب اللہ تعالیٰ ہے۔ سورت کے آخر میں بھی فرمایا گیا کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

عزت، حکمت، مغفرت اور سزا

سورت میں اللہ تعالیٰ کو العزیز الحکیم بھی کہا گیا ہے، یعنی وہ غالب ہے مگر اس کی غلبہ اندھا نہیں، حکمت سے بھرا ہوا ہے۔ وہ غالب ہونے کے ساتھ غفور اور رحیم بھی ہے، توبہ کرنے والوں کو بخشتا ہے اور نافرمانوں کو عذاب کی وعید بھی سناتا ہے۔ یہ توازن بہت اہم ہے :صرف رحمت کا ذکر انسان کو بے خوف کر سکتا ہے اور صرف سزا کا ذکر مایوسی پیدا کر سکتا ہے، سورۃ آل عمران دونوں پہلو ساتھ رکھتی ہے ۔ غزوہ احد کے سلسلے میں جب مسلمانوں کو وقتی صدمہ پہنچا تو بھی یہی بتایا گیا کہ اللہ اپنے مومن بندوں کو آزماتا ہے، انہیں گناہ بخشتا ہے اور ان کے درجات بلند کرتا ہے۔ اسی طرح سورت میں اللہ کی محبت کا ذکر بھی آتا ہے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ یہ آیت صحت محبت کو اطاعت کے ساتھ جوڑ دیتی ہے۔

ان صفات کی اہمیت

ان صفات کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ یہ انسان کو صحیح معرفت الٰہی عطا کرتی ہیں۔ معرفت جتنی کامل ہوگی، عبادت اتنی ہی زندہ اور دل جمعی کے ساتھ ہوگی۔ دوسری اہمیت یہ ہے کہ یہ صفات شرک کی ہر شکل کی تردید کرتی ہیں، خواہ وہ بت پرستی ہو، تثلیث ہو، یا اسباب کو ہی سب کچھ سمجھ لینا ہو۔ تیسری اہمیت اخلاقی ہے :عدل کی صفت انصاف سکھاتی ہے، علم محیط کی صفت اخلاص اور تقویٰ پیدا کرتی ہے، رزق اور ملکیت کی صفت قناعت اور شکر سکھاتی ہے، اور مغفرت کی صفت توبہ کی امید دلاتی ہے۔ چوتھی اہمیت اجتماعی ہے :جب حکمران اور رعایا دونوں یہ مانیں کہ اصل ملک اللہ کا ہے تو طاقت امانت بن جاتی ہے اور ظلم کا راستہ روکا جا سکتا ہے۔ پانچویں اہمیت یہ ہے کہ یہ صفات مومن کو آزمائشوں میں گرنے نہیں دیتیں، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کا رب حکیم بھی ہے اور رحیم بھی، اس لیے اس کے ہر فیصلے میں کوئی نہ کوئی حکمت پوشیدہ ہوتی ہے۔

ان صفات کے بیان کے مقاصد

قرآن میں صفات باری کے بیان کا پہلا مقصد عقیدے کی اصلاح ہے تاکہ انسان خالق کو مخلوق جیسا سمجھنے کی غلطی نہ کرے اور تنزیہ و اثبات دونوں کو برقرار رکھے۔ دوسرا مقصد اہل کتاب کو دعوت دینا ہے کہ وہ مشترکہ بنیاد، یعنی ایک اللہ کی عبادت، کی طرف آئیں، جیسا کہ سورت کی آیت نمبر 64 میں اہل کتاب کو کلمہ سواء کی دعوت دی گئی ہے۔ تیسرا مقصد مسلمان جماعت کی تربیت ہے، خصوصاً احد کے بعد جب دل زخمی تھے تو انہیں بتایا گیا کہ نصرت اور شکست اللہ کے قانون کے تابع ہیں۔ چوتھا مقصد عملی زندگی کی رہنمائی ہے :نماز، دعا، توکل، صبر اور شکر سب انہی صفات کے شعور سے پیدا ہوتے ہیں۔ پانچواں مقصد آخرت کی یاد دہانی ہے کہ ہر نفس کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ ملے گا، اس لیے دنیا کی زندگی کو امتحان سمجھ کر گزارا جائے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ سورۃ آل عمران میں توحید باری تعالیٰ کی صفات، حیات و قیومیت، وحدانیت و عدل، علم محیط، قدرت و ملکیت، عزت و حکمت، رحمت و مغفرت اور محبت، نہایت جامع انداز میں بیان ہوئی ہیں۔ یہ صفات محض معلومات کا اضافہ نہیں کرتیں بلکہ ایمان کو زندگی میں بدل دیتی ہیں۔ جو طالب علم ان صفات کو سمجھ کر اپنائے گا وہ شرک سے بچے گا، اسباب کے ساتھ توکل سیکھے گا، آزمائش میں ثابت قدم رہے گا اور اللہ کی رضا کو اپنی زندگی کا مقصد بنائے گا۔ یہی سورۃ آل عمران کے بیان صفات کا اصل مقصد اور اس کی دائمی اہمیت ہے۔

سوال نمبر :2 محکمات اور متشابہات — مفہوم و وضاحت 20) نمبر(

سوال نمبر :2 سورۃ آل عمران میں" محکمات "اور" متشابہات "کی کیا وضاحت کی گئی ہے؟ ان دونوں اصطلاحات کا لغوی اور شرعی مفہوم جامع انداز میں بیان کریں۔

تعارف

قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے یہ جاننا بنیادی اہمیت رکھتا ہے کہ اس کی آیات ایک ہی درجے کی وضاحت نہیں رکھتیں۔ بعض آیات بالکل واضح ہیں جن کا مفہوم ہر اہل زبان آسانی سے سمجھ لیتا ہے اور بعض آیات ایسی ہیں جن کے مفہوم

میں اجمال، احتمال یا ایسی گہرائی پائی جاتی ہے کہ ان کی مراد تک رسائی ہر کسی کے لیے ممکن نہیں۔ انھی دو قسموں کو سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 7 میں محکمات اور متشابہات کہا گیا ہے۔ یہ آیت اصول تفسیر کی بنیادوں میں سے ہے اور اس میں یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ ان آیات کے ساتھ دو طرح کے رویے سامنے آتے ہیں :ایک راسخ فی العلم لوگوں کا، جو اللہ پر ایمان لا کر علم کے آگے عاجزی اختیار کرتے ہیں، اور دوسرا ان لوگوں کا جن کے دلوں میں ٹیڑھ ہے اور وہ فتنے کی طلب میں متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں۔ اس سوال میں محکمات اور متشابہات کا لغوی و شرعی مفہوم، اہل علم کی اقوال اور اس بحث کی عملی اہمیت بیان کی جائے گی۔

آیت آل عمران اور اس کا مفہوم

ارشاد باری تعالیٰ ہے :وہی ہے جس نے آپ پر کتاب نازل کی، اس میں کچھ آیات محکم ہیں، وہی کتاب کی اصل بنیاد ہیں، اور کچھ دوسری متشابہ ہیں۔ پس جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے وہ فتنے کی تلاش اور اس کی تأویل کی طلب میں اس کے متشابہ حصے کے پیچھے پڑتے ہیں، حالانکہ اس کی تأویل کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور علم میں پختہ کار لوگ کہتے ہیں :ہم اس پر ایمان لائے، سب ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ اس آیت میں کئی امور واضح کیے گئے ہیں :قرآن کا ایک حصہ محکم ہے اور وہی ام الکتاب یعنی اصل مرجع ہے۔ دوسرا حصہ متشابہ ہے، اس کی تأویل کی کوشش فتنے کا سبب بن سکتی ہے۔ اور راسخون فی العلم کا رویہ تسلیم و ایمان کا ہے۔ وقف کے اختلاف کی وجہ سے یہ بحث بھی پیدا ہوئی کہ متشابہات کا علم اللہ کے ساتھ خاص ہے یا راسخین بھی اس میں شریک ہیں، اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

محکم کا لغوی مفہوم

محکم عربی زبان کے مادہ حکم سے بنا ہے جس کے بنیادی معنی روکنے، مضبوط کرنے اور فیصلہ کرنے کے ہیں۔ اسی مادے سے حاکم اور حکمت کے الفاظ بھی بنے ہیں۔ احکام کا مطلب ہے کسی چیز کو اتنی پختگی سے بنانا کہ اس میں خلل یا فساد کی گنجائش نہ رہے۔ لہٰذا محکم آیت وہ ہے جس کا مفہوم مضبوط، واضح اور متعین ہو، جس میں کسی اور احتمال کی گنجائش نہ ہو یا نہایت کم ہو۔ لغت کی اس مناسبت سے شرعی اصطلاح میں بھی محکم آیت سے مراد وہ آیت ہے جس کا معنی خود اس کے الفاظ سے واضح ہو اور اسے سمجھنے کے لیے کسی بیرونی دلیل یا تأویل کی زیادہ ضرورت پیش نہ آئے، جیسے توحید، رسالت، نماز، روزہ، زکاۃ اور حلال و حرام سے متعلق واضح احکام والی آیات۔

متشابہ کا لغوی مفہوم

متشابہ مادہ شبہ سے ہے جس کا معنی ہے دو چیزوں کا ایک دوسری سے اس قدر ملتا جلتا ہونا کہ ان میں تمیز مشکل ہو جائے۔ شُبہ اسی سے ہے یعنی وہ بات جس میں حق اور باطل اس طرح گڈ مڈ ہوں کہ فیصلہ آسان نہ ہو۔ لغوی مفہوم کی رو سے متشابہ آیات وہ ہیں جن کا مفہوم علم قاری کے لیے مشتبہ ہو، یعنی ان میں ایک سے زیادہ مفاہیم کا احتمال ہو یا ان کی حقیقت تک رسائی مشکل ہو۔ یہاں یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ متشابہ ہونا قرآن کا نقص نہیں ہے، یہ ایک حکمت پر مبنی اسلوب ہے جس سے اہل علم کی پختگی آزمائی جاتی ہے، دلوں کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے اور بندے کو یہ سبق دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے علم کی حد پہچانے اور وحی کے آگے سر تسلیم خم کرے۔

شرعی و اصطلاحی مفہوم — اہل علم کے اقوال

مفسرین اور اصولیین نے محکم و متشابہ کی کئی تعریفیں کی ہیں جن کا حاصل تین بڑے اقوال میں سمایا جا سکتا ہے۔ پہلا قول یہ ہے کہ محکم وہ آیت ہے جس کی تأویل اور مفہوم معلوم ہو سکے، اور متشابہ وہ ہے جس کا علم اللہ نے اپنے لیے خاص رکھا ہو، جیسے قیامت کا وقت، دجال کے خروج کا تعین اور روح کی حقیقت۔ دوسرا قول یہ ہے کہ محکم وہ ہے جو اپنے مفہوم میں مستقل ہو، کسی اور آیت کی طرف محتاج نہ ہو، اور متشابہ وہ ہے جس کو سمجھنے کے لیے دوسری آیات کی طرف رجوع ضروری ہو۔ تیسرا قول یہ ہے کہ محکم وہ آیت ہے جس میں صرف ایک ہی مفہوم کا احتمال ہو، اور متشابہ وہ جس میں کئی مفاہیم کا احتمال ہو اور ترجیح کے لیے غور و فکر اور دلیل کی ضرورت ہو۔ مشہور مفسرین، جیسے امام طبری، امام رازی اور علامہ آلوسی نے ان اقوال کو جمع کرتے ہوئے یہی نتیجہ نکالا ہے کہ اعمال و احکام سے متعلق آیات عموماً محکم ہیں اور غیبی حقائق، صفات باری کی کیفیت اور حروف مقطعات جیسے امور میں متشابہ پہلو پایا جاتا ہے۔

راسخون فی العلم اور وقف کا مسئلہ

آیت کے اس حصے کی قراءت میں دو مشہور صورتیں ہیں۔ ایک صورت میں وقف اللہ کے اسم پر ہوتا ہے، یعنی متشابہات کی تأویل کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور راسخون فی العلم الگ جملے کے طور پر کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ اس صورت میں متشابہات کی حقیقت کا علم اللہ کے ساتھ خاص مانا جاتا ہے۔ دوسری صورت میں لفظ اللہ کے بعد وقف

لازم نہیں سمجھا جاتا بلکہ راسخون کو بھی تأویل کے جاننے والوں میں شامل کیا جاتا ہے۔ اس رائے کے حاملین کہتے ہیں کہ راسخین بھی متشابہات کے وہ معانی جانتے ہیں جن تک لغت اور شرعی دلائل سے رسائی ممکن ہے، البتہ غیب کی حقیقت اور کیفیت کا مکمل علم پھر بھی اللہ ہی کے پاس ہے۔ دونوں صورتوں میں اس بات پر اتفاق ہے کہ متشابہات کے سلسلے میں اصل مطلوب رویہ ایمان و تسلیم ہے، نہ کہ خواہش پرستی پر مبنی تأویلات گھڑنا۔

متشابہات	محکمات	پہلو
مشابہت رکھنے والا، جس میں تمیز مشکل ہو	مضبوط، محکم اور واضح	لغوی معنی
ایک سے زیادہ احتمالات یا پوشیدہ حقیقت	معنی متعین، تأویل کی گنجائش کم	مفہوم کی حیثیت
حروف مقطعات، صفات کی کیفیت، غیبی امور	احکام، حلال و حرام، فرائض کی آیات	مثالیں
ایمان لانا، غور کو علم کی حد میں رکھنا، فتنہ سے بچنا	عمل کرنا اور دوسری آیات کو اس کی روشنی میں سمجھنا	مطلوب رویہ
ابتلاء اور ایمان کی آزمائش کا ذریعہ	ام الکتاب، یعنی اصل بنیاد و مرجع	کتاب میں مقام

متشابہات کے پیچھے پڑنے والوں کی مذمت اور اس کے اسباب

آیت میں واضح کیا گیا ہے کہ جن کے دلوں میں زیغ یعنی ٹیڑھ ہوتا ہے وہی متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں اور ان کے دو مقاصد ہوتے ہیں :فتنہ پیدا کرنا اور اپنی پسند کی تأویل تلاش کرنا۔ تاریخ اسلام میں اس کی مثالیں ملتی ہیں کہ بعض گروہوں نے متشابہ آیات کو بنیاد بنا کر ایسے عقائد گھڑے جن سے امت میں انتشار پھیلا، صفات باری کی آیات سے کبھی تشبیہ اور کبھی تعطیل کا راستہ نکالا گیا اور کبھی غیبی خبروں کو اپنے سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کیا گیا۔ اس کے برعکس سلف صالحین کا طریقہ یہ رہا کہ وہ متشابہ آیت کو محکم آیات کی روشنی میں رکھتے، جو بات سمجھ میں آتی اس پر ایمان لاتے اور جو حقیقت عقل سے ماورا ہوتی اسے اللہ کے حوالے کر دیتے۔ امام مالک کا مشہور قول اسی

اصول کی ترجمانی کرتا ہے کہ استواء معلوم ہے، کیفیت مجہول ہے، اس پر ایمان فرض ہے اور اس کے بارے میں سوال بدعت ہے۔

اس بحث کی عملی اہمیت

اس بحث کی پہلی عملی اہمیت یہ ہے کہ طالب علم قرآن کو سمجھنے کا صحیح منہج سیکھتا ہے :پہلے محکم آیات سے اصول اخذ کرنا، پھر انہی کی روشنی میں دوسری آیات کو دیکھنا۔ دوسری اہمیت یہ ہے کہ یہ بحث انسان کو علمی غرور سے بچاتی ہے اور سکھاتی ہے کہ ہر چیز کا علم انسان کے دائرے میں نہیں۔ تیسری اہمیت موجودہ دور میں خاص طور پر بڑھ گئی ہے، کیونکہ آج بعض لوگ سائنسی یا فیشن زدہ نظریات کے مطابق قرآنی آیات کی من مانی تأویلیں کرتے ہیں۔ آل عمران کی یہ آیت ہمیں خبردار کرتی ہے کہ تأویل وہی معتبر ہے جو علم، لغت اور اصولوں کے ساتھ ہو، خواہش کی بنیاد پر کی گئی تأویل فتنہ ہے۔ چوتھی اہمیت عقیدے کی حفاظت ہے :متشابہات پر ایمان کا رویہ اختیار کرنے سے بندہ تشبیہ و تعطیل دونوں انتہاؤں سے محفوظ رہتا ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ محکمات وہ آیات ہیں جن کا مفہوم واضح اور مضبوط ہے اور وہی قرآن کی اصل بنیاد ام الکتاب ہیں، جبکہ متشابہات وہ آیات ہیں جن کے مفہوم میں احتمال یا ایسی غیبی حقیقت ہے جس کی مکمل تأویل اللہ کے علم میں ہے۔ لغوی طور پر احکام کا معنی مضبوطی اور شبہ کا معنی مشابہت و التباس ہے اور شرعی اصطلاح میں یہی معنویت برقرار رہتی ہے۔ مومن کا رویہ یہ ہے کہ وہ محکمات پر عمل کرے، متشابہات پر ایمان لائے، انہیں محکمات کی روشنی میں دیکھے اور فتنہ انگیز تأویلات سے اجتناب کرے۔ یہی وہ جامع ہدایت ہے جو سورۃ آل عمران نے اس باب میں عطا کی ہے۔

سوال نمبر :3 وضو کے فرائض اور شرائط صحت 20) نمبر(

سوال نمبر :3 وضو کے فرائض کیا ہیں؟ قرآن و سنت کی روشنی میں ان کی تفصیل بیان کریں اور اس کی شرائطِ صحت پر روشنی ڈالیں۔

تعارف

وضو اسلام میں طہارت کا بنیادی ذریعہ اور نماز کی کنجی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نماز طہارت کے بغیر قبول نہیں ہوتی۔ وضو صرف ظاہری صفائی نہیں ہے بلکہ یہ ایک عبادت ہے جس کے ذریعے بندہ گناہوں سے پاک ہو کر اپنے رب کے حضور حاضر ہونے کے قابل ہوتا ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ وضو کرتے ہوئے بندے کے اعضاء سے گناہ جھڑتے ہیں، حتیٰ کہ آخری قطرے کے ساتھ نکل جاتے ہیں۔ اس اہمیت کے پیش نظر فقہاء نے قرآن و سنت کی روشنی میں وضو کے فرائض، سنن اور شرائط کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس جواب میں پہلے وضو کی قرآنی بنیاد بیان کی جاتی ہے، پھر فرائض کی تفصیل اور فقہی اختلاف کی نوعیت پیش کی جاتی ہے، اس کے بعد سنن کا مختصر ذکر اور آخر میں وضو کی شرائط صحت پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ واضح رہے کہ فرائض و شرائط کا یہ بیان درسی و مطالعاتی مقصد کے لیے ہے؛ کسی خاص عملی مسئلے میں مستند اہل علم سے رجوع کرنا چاہیے۔

وضو کی قرآنی بنیاد — آیت مائدہ

وضو کا اصل ماخذ سورۃ المائدہ کی آیت نمبر 6 ہے جس میں ارشاد ہوتا ہے :اے ایمان والو !جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اپنے چہرے اور ہاتھ کہنیوں تک دھو لو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور پاؤں ٹخنوں تک دھو لو۔ اس آیت میں چار بنیادی اعمال بیان ہوئے ہیں :چہرہ دھونا، ہاتھ کہنیوں سمیت دھونا، سر کا مسح کرنا اور پاؤں ٹخنوں سمیت دھونا۔ انہی چار کو جمہور فقہاء کے ہاں وضو کے فرائض کی اصل قرار دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ سنت نبوی سے نیت، ترتیب، مسلسل عمل، کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا اور دیگر امور ثابت ہوتے ہیں جن کا درجہ مختلف مکاتب فکر میں فرض، واجب یا سنت کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ آیت کے آغاز میں نماز کے لیے اٹھنے کا ذکر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وضو کی مشروعیت کا بنیادی مقصد نماز کی تیاری ہے۔

وضو کے فرائض کی تفصیل

پہلا فرض چہرہ دھونا ہے۔ چہرے کی حد لمبائی میں پیشانی کے بالوں کے اگنے کی جگہ سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور چوڑائی میں ایک کان سے دوسرے کان تک ہے۔ دھونے سے مراد یہ ہے کہ پانی عضو پر اس طرح بہے کہ کم از کم چند قطرے ٹپکیں، صرف گیلا ہاتھ پھیر دینا دھونا نہیں کہلاتا۔ دوسرا فرض دونوں بازو کہنیوں سمیت دھونا ہے۔ آیت میں کہنیوں

تک کا لفظ آیا ہے اور فقہاء نے سنت کی روشنی میں کہنیوں کو بھی دھونے میں شامل کیا ہے۔ تیسرا فرض سر کا مسح کرنا ہے، یعنی گیلا ہاتھ سر پر پھیرنا۔ سر کے کتنے حصے کے مسح سے فرض ادا ہوگا، اس میں اختلاف ہے :احناف کے نزدیک چوتھائی سر کا مسح فرض ہے، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک پورے سر کا مسح، اور شافعیہ کے نزدیک کچھ حصے کا مسح بھی کافی ہے، البتہ سنت طریقہ پورے سر کا مسح کرنا ہے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔ چوتھا فرض دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت دھونا ہے۔ حدیث میں ایڑیوں کو خشک چھوڑنے پر سخت وعید آئی ہے، اس لیے پاؤں کی انگلیوں کے درمیان اور ایڑیوں تک پانی پہنچانا ضروری ہے۔

فرض	مفہوم	دلیل / وضاحت
چہرہ دھونا	پیشانی سے ٹھوڑی تک اور دونوں کانوں کے درمیان پانی بہانا	سورۃ المائدہ6 :
بازو دھونا	دونوں بازو کہنیوں سمیت دھونا	سورۃ المائدہ — 6 :الی المرافق
سر کا مسح	گیلے ہاتھ سے سر کا مسح، مقدار میں مکاتب کا اختلاف	سورۃ المائدہ 6 :اور سنت نبوی
پاؤں دھونا	دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت دھونا، ایڑیاں خشک نہ رہیں	سورۃ المائدہ 6 :اور حدیث وعید ایڑیوں پر

نیت، ترتیب اور موالات کا فقہی درجہ

فرائض کے علاوہ تین امور میں مکاتب فکر کا مشہور اختلاف ہے۔ نیت :شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک وضو کے صحیح ہونے کے لیے نیت شرط ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے، جبکہ احناف کے نزدیک نیت سنت ہے، وضو بغیر نیت کے بھی ادا ہو جاتا ہے البتہ ثواب نیت پر موقوف ہے۔ ترتیب :آیت نے اعضاء کو ایک خاص ترتیب سے ذکر کیا ہے، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اسی ترتیب کی رعایت فرض ہے، حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک ترتیب سنت ہے۔ موالات یعنی اعضاء کو اس تسلسل سے دھونا کہ پہلا عضو خشک ہونے سے پہلے دوسرا دھو لیا جائے، مالکیہ

اور حنابلہ کے نزدیک اس کا لحاظ رکھا جاتا ہے جبکہ حنفیہ کے نزدیک یہ سنت ہے۔ طالب علم کے لیے یہ اختلاف رحمت ہے اور اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ فروعی مسائل میں وسعت ہوتی ہے، تعصب مناسب نہیں۔

وضو کی اہم سنتیں

سنت طریقے میں یہ امور شامل ہیں :شروع میں بسم اللہ پڑھنا، پہلے دونوں ہاتھ گٹوں تک تین بار دھونا، کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈال کر جھاڑنا، مسواک کرنا، ہر عضو کو تین بار دھونا، داڑھی اور انگلیوں کا خلال کرنا، پورے سر کا مسح کرنا اور کانوں کا مسح کرنا، اعضاء کو ترتیب سے اور تسلسل کے ساتھ دھونا، اور فراغت کے بعد کلمہ شہادت اور مسنون دعا پڑھنا۔ ان سنتوں سے وضو کا ظاہری حسن بھی بڑھتا ہے اور باطنی توجہ بھی۔ سنت کے مطابق وضو کرنے سے نماز میں حضور قلب کی کیفیت حاصل ہوتی ہے۔ اسی لیے سلف صالحین وضو کو نماز کی تیاری کے ساتھ ساتھ ایک مستقل ذکر و توبہ کا عمل سمجھتے تھے۔

وضو کی شرائط صحت

اب ان شرائط کا بیان آتا ہے جن کے پائے جانے پر وضو شرعاً صحیح ہوتا ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ وضو کرنے والا مسلمان، عاقل اور ممیز ہو، کیونکہ عبادت کی صحت کے لیے اہلیت ضروری ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ پانی مطلق اور طاہر ہو، یعنی وہ پانی جو اپنی اصل حالت پر ہو اور نجاست سے پاک ہو؛ ناپاک پانی سے وضو نہیں ہوتا۔ تیسری شرط یہ ہے کہ استعمال شدہ پانی اتنا ہو کہ اعضاء پر جاری ہو سکے، کیونکہ وضو میں غسل یعنی بہانا پایا جانا ضروری ہے۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ جلد تک پانی پہنچنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو، لہٰذا ناخن پالش، موم یا اس جیسی چیز جو پانی کو جلد تک پہنچنے سے روکے، اسے زائل کرنا ضروری ہے۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ کوئی ایسا امر موجود نہ ہو جو وضو کے منافی ہو، یعنی وضو کے دوران کوئی ناقض وضو پیش نہ آئے۔ چھٹی شرط حیض و نفاس سے پاک ہونا ہے، کیونکہ اس حالت میں نماز مشروع نہیں اور وضو کا مقصد نماز ہے۔ ساتویں شرط وقت کی تنگی میں اتنا وقت موجود ہونا ہے کہ وضو اور نماز ادا ہو سکے۔ اس کے علاوہ اعضاء وضو کا موجود ہونا اور ان پر پانی پہنچانے کی قدرت بھی شرائط میں شمار ہوتی ہے، اور اگر کوئی شخص معذور ہو تو اس کے احکام الگ تفصیل رکھتے ہیں۔

شرائط کی مزید وضاحت اور عملی فوائد

شرائط صحت کو سمجھنے کی عملی اہمیت یہ ہے کہ انسان شک و وسوسے سے بچتا ہے اور اطمینان کے ساتھ عبادت کرتا ہے۔ فقہاء نے شرائط اور فرائض کو الگ اسی لیے بیان کیا ہے کہ فرض چھوٹنے سے وضو درست نہیں ہوتا جبکہ شرط کا تعلق عبادت کی بنیادی اہلیت سے ہوتا ہے۔ مثلاً اگر پانی ناپاک ہو تو عمل شروع ہی غلط بنیاد پر ہوگا، اور اگر عضو کا کچھ حصہ خشک رہ جائے تو فرض ناقص رہ جائے گا۔ جدید دور میں اس بحث کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ مختلف پیشوں سے تعلق رکھنے والے لوگ، جیسے پینٹر، مکینک یا طبی عملہ، اپنے کام کے دوران لگنے والی رکاوٹوں کا حکم جان کر وضو کا اہتمام کر سکتے ہیں۔ تاہم جزوی مسائل میں اہل علم سے سوال کرنا ہی محفوظ راستہ ہے، کیونکہ ہر رکاوٹ کی نوعیت ایک جیسی نہیں ہوتی۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ وضو کے فرائض چار ہیں :چہرہ دھونا، بازو کہنیوں سمیت دھونا، سر کا مسح کرنا اور پاؤں ٹخنوں سمیت دھونا۔ یہ چاروں سورۃ المائدہ کی آیت نمبر 6 سے ثابت ہیں، جبکہ نیت، ترتیب اور موالات کے درجے میں فقہی اختلاف موجود ہے۔ وضو کی صحت کے لیے مسلمان و عاقل ہونا، پانی کا مطلق و طاہر ہونا، جلد تک پانی پہنچنے میں رکاوٹ کا نہ ہونا اور نواقض سے خالی ہونا جیسی شرائط ضروری ہیں۔ سنت کے مطابق وضو کرنا اس عمل کو محض رسم سے نکال کر زندہ عبادت بنا دیتا ہے اور نماز میں خشوع کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔

سوال نمبر :4 جنگ احد کے اسباق اور سورۃ آل عمران کا تذکرہ 20) نمبر(

سوال نمبر :4 جنگِ احد کے واقعات سے مسلمانوں کو کیا اہم اسباق ملتے ہیں؟ سورۃ آل عمران میں اس جنگ کا تذکرہ کن پہلوؤں سے آیا ہے اور اس کی حکمتیں کیا ہیں؟

تعارف

جنگ احد اسلام کی تاریخ کا وہ عظیم واقعہ ہے جسے قرآن مجید نے سب سے زیادہ تفصیل سے بیان کیا ہے۔ سورۃ آل عمران کا ایک بڑا حصہ، تقریباً آیت 121 سے آیت 180 تک، اسی جنگ کے مختلف پہلوؤں پر مشتمل ہے۔ یہ بات بذات

خود غور طلب ہے کہ قرآن کسی جنگ کی محض جنگی رپورٹ پیش نہیں کرتا بلکہ اس کے واقعات کو ایمان، اطاعت، صبر، نظم و ضبط اور اجتماعی تربیت کے اسباق میں بدل دیتا ہے۔ احد میں مسلمانوں کو ابتدائی کامیابی کے بعد ایک سخت آزمائش سے گزرنا پڑا، ستر صحابہ شہید ہوئے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوئے، مگر اسی آزمائش سے وہ جماعت تیار ہوئی جس نے آگے چل کر دنیا کی تاریخ بدل دی۔ اس جواب میں پہلے جنگ کا مختصر پس منظر، پھر سورۃ آل عمران میں اس کے تذکرے کے پہلو، سباق اور حکمتیں بیان کی جاتی ہیں۔

جنگ احد کا پس منظر اور مختصر خاکہ

جنگ احد شوال 3 ہجری میں مدینہ کے قریب پہاڑ احد کے دامن میں پیش آئی۔ بدر میں شکست کے بعد قریش نے بدلہ لینے کے لیے تقریباً تین ہزار کا لشکر تیار کیا، جبکہ مسلمانوں کی تعداد سات سو کے قریب تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورے کے بعد مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کیا۔ راستے میں عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں سمیت الگ ہو گیا، جو منافقین کے کردار کا پہلا کھلا اظہار تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس تیر اندازوں کو عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک درے پر مقرر کیا اور حکم دیا کہ کسی صورت یہ جگہ نہ چھوڑنا۔ ابتداء میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی، مگر جب بعض تیر انداز مال غنیمت دیکھ کر اپنی جگہ چھوڑ بیٹھے تو خالد بن ولید، جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے، کے دستے نے عقب سے حملہ کر دیا اور صورت حال بدل گئی۔ اس افراتفری میں ستر مسلمان شہید ہوئے جن میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔

سورۃ آل عمران میں تذکرے کے پہلو — تیاری اور مشورہ

سورۃ آل عمران میں تذکرے کا پہلا پہلو جنگ سے پہلے کی تیاری ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ آپ صبح سویرے اپنے گھر سے نکلے اور مومنوں کو لڑائی کے مورچوں پر بٹھا رہے تھے۔ یہاں قیادت کی بیداری، منصوبہ بندی اور اہل ایمان کو ان کی ذمہ داریوں پر مقرر کرنے کا درس ہے۔ دوسرا پہلو مشورے کا ہے :سورت میں ان آیات کے قریب ہی مسلمانوں کو باہمی مشاورت کا مزاج دیا گیا ہے۔ تیسرا پہلو دو گروہوں کا ذکر ہے جن کے قدم ڈگمگانے لگے تھے، مگر اللہ ان کا ولی تھا اور اسی تناظر میں توکل کی تعلیم دی گئی کہ مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے۔ یعنی قرآن کمزوری چھپاتا نہیں بلکہ اس کا علاج بھی بتاتا ہے :کمزوری کا علاج تنظیم، توکل اور اللہ سے تعلق کی تجدید ہے۔

سورۃ میں تذکرے کے پہلو — اصل سبب کی نشاندہی

قرآن نے شکست کے اسباب کو دشمن کی طاقت کے بجائے مسلمانوں کے اپنے رویے میں تلاش کیا۔ ارشاد ہوا کہ جب تم پر مصیبت آئی حالانکہ تم اس سے دوگنی مصیبت دشمن کو پہنچا چکے تھے تو تم نے کہا یہ کہاں سے آ گئی؟ کہہ دیجیے یہ تمہارے اپنے پاس سے ہے۔ مفسرین کے مطابق اس سے مراد تیر اندازوں کا حکم رسول کی نافرمانی کر کے اپنی جگہ چھوڑنا ہے۔ یہ اصول ہمیشہ کے لیے طے ہو گیا کہ کامیابی اور ناکامی کا پہلا محاسبہ اپنے عمل سے شروع ہوتا ہے۔ اسی سورت میں یہ بھی واضح کیا گیا کہ اللہ کی مدد بدر میں بھی آئی تھی اور وہ مدد مشروط تھی صبر اور تقویٰ کے ساتھ، یعنی اسباب اختیار کرنا اور اللہ کی حدود کی پابندی کرنا ہی نصرت کا راستہ ہے۔ اس پہلو سے احد کا تذکرہ محض تاریخی نہیں بلکہ ایک دائمی قانون کی تعلیم ہے۔

سورۃ میں تذکرے کے پہلو — شہداء اور منافقین

احد کے تذکرے کا ایک اہم پہلو شہداء کا مقام ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے انہیں مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں۔ یہ آیات شہید کے مقام کی سب سے عظیم بشارت ہیں اور غم زدہ دلوں کی تسلی کا سامان بھی۔ دوسری طرف منافقین کا رویہ بے نقاب کیا گیا کہ وہ خود پیچھے رہے اور شہید ہونے والوں کے بارے میں کہنے لگے کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے نہ قتل ہوتے۔ قرآن نے اس کا جواب یہ دیا کہ زندگی اور موت اللہ کے اختیار میں ہے، گھر بیٹھنے سے تقدیر نہیں ٹلتی۔ تیسری طرف ان کمزور ایمان والوں کا ذکر بھی ہے جو شیطانی وسوسوں کا شکار ہوئے، مگر اللہ نے ان کی لغزش معاف فرما دی کیونکہ وہ حلیم ہے۔ یہ توازن، یعنی جرم کی نشاندہی کے ساتھ معافی کا دروازہ کھلا رکھنا، قرآن کی تربیتی حکمت کی دلیل ہے۔

جنگ احد سے ملنے والے اہم اسباق

احد سے ملنے والا پہلا اور سب سے بڑا سبق اطاعت رسول کی اہمیت ہے۔ ایک چھوٹی سی نافرمانی نے فتح کو صدمے میں بدل دیا، اس سے معلوم ہوا کہ اجتماعی زندگی میں قیادت کی اطاعت، خصوصاً مشکل مرحلے میں، کامیابی کی شرط ہے۔ دوسرا سبق نظم و ضبط کا ہے :ہر شخص کو اپنی مقررہ ذمہ داری پر قائم رہنا ہے، چاہے حالات سازگار نظر آئیں یا ناسازگار۔ تیسرا سبق دنیا کی محبت سے بچنے کا ہے، مال غنیمت کی کشش نے توجہ بٹائی اور نقصان ہوا، اسی لیے قرآن نے

کہا کہ تم میں سے کچھ دنیا چاہتے تھے اور کچھ آخرت۔ چوتھا سبق صبر اور ثبات قدمی کا ہے کہ ناکامی کے بعد گھبرا کر میدان نہیں چھوڑا جاتا بلکہ غلطی کا اعتراف کر کے اصلاح کی جاتی ہے۔ پانچواں سبق یہ ہے کہ آزمائش مومن اور منافق کو چھانٹنے کا ذریعہ ہوتی ہے، اس لیے امتحان کو اللہ کی ناراضی سمجھنے کے بجائے تربیت کا مرحلہ سمجھا جائے۔ چھٹا سبق قیادت کے کردار کا ہے :رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہونے کے باوجود ثابت قدم رہے، مشورہ کیا، اور جنگ کے فوراً بعد حمراء الاسد تک دشمن کا تعاقب کر کے جماعت کا حوصلہ بحال کیا۔ ساتواں سبق یہ ہے کہ شکست کے بعد الزام تراشی کے بجائے خود احتسابی کیا اصل بہادری ہے۔

احد کے واقعات کی حکمتیں

قرآن نے خود احد کی چند حکمتیں بیان کی ہیں۔ ایک حکمت یہ ہے کہ اللہ مومنوں کو آزما کر خالص اور ناخالص کو الگ کر دے، کیونکہ ایمان کا دعویٰ آزمائش کے بغیر ثابت نہیں ہوتا۔ دوسری حکمت شہادت کے مرتبے کی عطا ہے کہ اللہ اپنی راہ میں جان دینے والوں کو چن لیتا ہے۔ تیسری حکمت گناہوں کی تطہیر ہے، میدان میں موجود کمزوریوں کا ظاہر ہونا آئندہ اصلاح کا سبب بنتا ہے۔ چوتھی حکمت یہ تعلیم ہے کہ اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا اور اس کی مدد کا وعدہ اطاعت گزاروں کے ساتھ ہے، غیر مشروط گروہی تعصب کے ساتھ نہیں۔ پانچویں حکمت یہ ہے کہ امت کو یہ سمجھایا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی بشر ہیں، اگر وہ وفات پا جائیں یا شہید ہو جائیں تو دین باقی رہے گا، اسی لیے فرمایا گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک رسول ہیں، ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے۔ یہ آیت بعد میں وفات نبوی کے موقع پر امت کے لیے سہارا بنی۔ چھٹی حکمت یہ ہے کہ دشمن کے پروپیگنڈے اور افواہوں، جیسے رسول اللہ کی شہادت کی افواہ، کا مقابلہ حوصلے اور تصدیق شدہ خبر سے کیا جائے۔

موجودہ دور کے لیے رہنمائی

احد کے اسباق صرف میدان جنگ تک محدود نہیں۔ آج کی اجتماعی زندگی، ادارے، تحریکیں اور خاندان سب اسی اصول کے پابند ہیں کہ نظم کی خلاف ورزی اور ذاتی خواہش کی پیروی اجتماعی نقصان لاتی ہے۔ طالب علم کے لیے اس میں یہ سبق ہے کہ کامیابی کے لمحات میں غرور اور ناکامی کے وقت مایوسی دونوں ایمان کے خلاف ہیں۔ سوشل میڈیا کے دور میں افواہوں کی تصدیق کا سبق بھی یہیں سے ملتا ہے، کیونکہ احد میں افواہ نے افراتفری بڑھائی تھی۔ اسی طرح غلطی

ہو جانے پر توبہ اور واپسی کا راستہ بھی احد نے سکھایا کہ صحابہ کی لغزش پر معافی کا اعلان ہوا، مگر اس کے ساتھ آئندہ اطاعت کا عہد بھی تازہ کیا گیا۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ سورۃ آل عمران میں جنگ احد کا تذکرہ تیاری و مشورے، نافرمانی کے انجام، شہداء کے مقام، منافقین کے کردار، توکل و صبر کی تعلیم اور آزمائش کی حکمتوں جیسے پہلوؤں سے آیا ہے۔ اس سے ملنے والے بنیادی اسباق اطاعت رسول، نظم و ضبط، دنیا کی محبت سے بچاؤ، خود احتسابی، صبر و ثبات اور اللہ پر توکل ہیں۔ یہ واقعہ بتاتا ہے کہ اللہ کی مدد اسباب اور اطاعت کے ساتھ آتی ہے اور وقتی ناکامی اگر سبق میں بدل جائے تو مستقبل کی فتح کی بنیاد بن جاتی ہے۔ یہی احد کا دائمی پیغام ہے۔

سوال نمبر :5 مصافحہ اور معانقہ کے آداب و احکام 20) نمبر(

سوال نمبر :5 مصافحہ) ہاتھ ملانا (اور معانقہ) گلے ملنا (سے متعلق احادیثِ نبویہ کس قسم کے آداب اور ہدایات بیان کرتی ہیں؟ ان افعال کے شرعی احکام پر جامع نوٹ لکھیں۔

تعارف

اسلام محض عبادات کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک مکمل طرز زندگی ہے جو ملاقات کے چھوٹے چھوٹے آداب کو بھی ایمان کا حصہ بناتا ہے۔ سلام، مصافحہ اور معانقہ وہ اعمال ہیں جن سے دلوں کی دوریاں ختم ہوتی ہیں، کینہ دور ہوتا ہے اور بھائی چارہ مضبوط ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم جنت میں داخل نہیں ہو گے یہاں تک کہ ایمان لاؤ اور ایمان کامل نہیں ہوگا یہاں تک کہ باہم محبت کرو، پھر وہ عمل بتایا جس سے محبت بڑھتی ہے، یعنی سلام کو عام کرنا۔ مصافحہ اسی سلام کا عملی تکملہ ہے اور معانقہ محبت کے اظہار کی ایک صورت ہے۔ اس جواب میں مصافحہ اور معانقے کے مفہوم، ان سے متعلق احادیث، ان کے آداب اور شرعی احکام کو جامع انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ یہ بیان مطالعاتی ہے، فروعی اختلافی جزئیات میں اصل مرجع مستند اہل علم ہیں۔

مصافحہ اور معانقے کے مفہوم

مصافحہ عربی لفظ صفحہ سے نکلا ہے جس کا تعلق ہتھیلی کے صفحے یعنی اندرونی حصے سے ہے۔ اصطلاح میں ملاقات کے وقت ایک شخص کا اپنی ہتھیلی دوسرے کی ہتھیلی سے ملانا مصافحہ کہلاتا ہے۔ معانقہ عنق یعنی گردن سے ہے، اس سے مراد گلے ملنا ہے کہ دو شخص باہم گردن سے گردن ملائیں۔ دونوں اعمال کا مشترکہ مقصد محبت، احترام اور خیر مقدم کا اظہار ہے۔ فرق صرف درجے کا ہے :مصافحہ عام ملاقات کا معمول ہے جبکہ معانقہ نسبتاً گہری محبت یا خاص موقع، مثلاً سفر سے واپسی یا طویل جدائی کے بعد ملاقات پر ہوتا ہے۔ یہی فرق احادیث کے مجموعی مطالعے سے بھی واضح ہوتا ہے۔

مصافحہ سے متعلق احادیث اور فضیلت

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :دو مسلمان جب آپس میں ملتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے جدا ہونے سے پہلے ان کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ یہ حدیث سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی میں موجود ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں مصافحہ کا رواج تھا، انہوں نے فرمایا :ہاں۔ بخاری شریف کی اس روایت سے صحابہ کے معمول کی تصدیق ہوتی ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ میں نے حضرت انس سے کہا کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ ثابت ہے، فرمایا ہاں۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ جب دو مسلمان ملاقات کریں، ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے اور اللہ کی حمد کرے تو ان کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جیسے درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔ ان احادیث سے مصافحے کی فضیلت کا راز بھی سمجھ آتا ہے کہ یہ محض رسم نہیں بلکہ اخلاص کے ساتھ کیا جائے تو مغفرت کا ذریعہ بنتا ہے، کیونکہ ہاتھ ملانے والا درحقیقت دل کی صفائی کا اعلان کرتا ہے۔

مصافحہ کے آداب

احادیث اور فقہاء کی تشریحات سے مصافحے کے کئی آداب معلوم ہوتے ہیں۔ پہلا ادب یہ ہے کہ ابتدا سلام سے ہو، مصافحہ سلام کے بعد اور اس کے ساتھ ہو۔ دوسرا ادب مسکراہٹ اور خندہ پیشانی ہے، کیونکہ بھائی سے مسکرا کر ملنا بھی صدقہ قرار دیا گیا ہے۔ تیسرا ادب یہ ہے کہ مصافحہ ایک ہاتھ سے بھی درست ہے اور دونوں ہاتھوں سے بھی ثابت

ہے؛ بعض روایات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں لینے کا ذکر آتا ہے، لہٰذا اس معاملے میں تنگی پیدا نہیں کرنی چاہیے۔ چوتھا ادب یہ ہے کہ پہلے اپنا ہاتھ نہ کھینچے یہاں تک کہ دوسرا خود چھوڑ دے، کیونکہ یہ محبت کی علامت ہے۔ پانچواں ادب یہ ہے کہ مصافحے کے وقت جھکنے سے بچا جائے، صحابہ نے پوچھا کہ کیا ہم ایک دوسرے کے لیے جھکیں، آپ نے منع فرمایا؛ تعظیم میں غلو اللہ کے سوا کسی کے لیے سجدہ یا رکوع جیسی صورت جائز نہیں۔ چھٹا ادب مقام و محل کا لحاظ ہے، مصافحہ ملاقات کے وقت ہے، نماز کے فوراً بعد اس کا ایسا التزام کہ اسے دین کا لازمی حصہ سمجھا جائے، اہل علم کے نزدیک درست نہیں، اگرچہ ملاقات ہی نماز کے بعد ہو رہی ہو تو کوئی حرج نہیں۔ ساتواں ادب یہ ہے کہ غیر محرم مرد و عورت کے درمیان مصافحے سے شرعی حدود کی رعایت کی جائے، کیونکہ احادیث میں اس باب میں احتیاط کی تعلیم موجود ہے۔

معانقہ سے متعلق احادیث اور آداب

معانقہ یعنی گلے ملنا بھی احادیث سے ثابت ہے۔ مشہور واقعہ ہے کہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ حبشہ سے واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے معانقہ کیا اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ اسی طرح بعض صحابہ کے سفر سے واپسی پر معانقے کے واقعات منقول ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مدینہ آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف لپکے، انہیں گلے لگایا اور بوسہ دیا۔ ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ معانقے کا اصل موقع خوشی، واپسی اور محبت کا خاص اظہار ہے، روزمرہ ہر ملاقات پر اس کا التزام سنت سے ثابت نہیں۔ آداب میں یہ بات بھی شامل ہے کہ معانقہ اس شخص سے کیا جائے جس سے محبت و تعلق ہو، ریا اور دکھاوے سے بچا جائے، اور ایسے مقامات جہاں معانقہ شہرت یا فتنے کا سبب بنے وہاں اس سے گریز بہتر ہے۔ عیدین کے موقع پر معانقے کے بارے میں اہل علم نے یہ لکھا ہے کہ یہ خوشی کے اظہار اور ملاقات کی صورت ہے، اسے عبادت سمجھ کر لازم کرنا درست نہیں۔

موقع و ادب	حکم کی عمومی صورت	عمل
ہر ملاقات پر سلام کے ساتھ، بغیر جھکے	سنت و محبت کا ذریعہ، مغفرت کی بشارت	مصافحہ

سفر سے واپسی، طویل جدائی، خوشی کے موقع پر	جائز و ثابت، خاص مواقع پر پسندیدہ	معانقہ
غلو اور ریاکاری سے بچ کر، شریعت کی حدود میں	تعظیم و محبت کے لیے بزرگوں کے حق میں اہل علم نے گنجائش دی ہے	پیشانی یا ہاتھ کا بوسہ
تعظیم میں حد سے تجاوز منع ہے	جائز نہیں	جھکنا یا سجدہ تعظیمی

شرعی احکام کا خلاصہ

فقہاء کے مجموعی موقف کا خلاصہ یہ ہے کہ مصافحہ ملاقات کے وقت سنت سے ثابت عمل ہے اور اس پر مغفرت کی بشارت وارد ہوئی ہے۔ معانقہ فی نفسہ جائز اور بعض مواقع پر مستحب ہے، خاص طور پر سفر سے آنے والے سے۔ ان اعمال میں اصل مدار نیت اور موقع ہے :جو عمل محبت و اخوت کے لیے ہو وہ پسندیدہ ہے اور جو دکھاوے، تکلف یا حرام اختلاط کا ذریعہ بنے وہ درست نہیں۔ اسی اصول پر پیشانی کے بوسے، کھڑے ہو کر استقبال اور بزرگ کی تعظیم جیسے امور کو پرکھا جاتا ہے۔ تعظیم میں وہ صورت جو سجدے یا رکوع کے مشابہ ہو یا جس میں کسی مخلوق کو معبود جیسا درجہ دیا جائے، ممنوع ہے۔ یہ بات بھی یاد رہے کہ آداب کے یہ مسائل معاشرت کے باب سے ہیں، ان میں شدت اور سختی کے بجائے محبت، اعتدال اور حالات کا لحاظ اصل روح ہے۔

معاشرتی فوائد

مصافحہ اور معانقے کے معاشرتی فوائد بہت نمایاں ہیں۔ پہلا فائدہ کدورتوں کا خاتمہ ہے، جو شخص دل میں رنجش رکھ کر ہاتھ بڑھائے اس کے لیے کینہ برقرار رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ دوسرا فائدہ اخوت کا استحکام ہے، یہی چھوٹے اعمال مسجد، محلے اور خاندان کو جوڑے رکھتے ہیں۔ تیسرا فائدہ یہ ہے کہ یہ اعمال طبقاتی فرق مٹاتے ہیں، امیر و غریب، بڑا و چھوٹا جب گلے ملتے ہیں تو برابری کا اسلامی پیغام عملی شکل اختیار کرتا ہے۔ چوتھا فائدہ نفسیاتی ہے کہ خوش دلی سے ملاقات انسان کی ذہنی کیفیت پر مثبت اثر ڈالتی ہے۔ انھی فوائد کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آداب کو محض تمدنی رسومات نہیں رہنے دیا بلکہ انہیں اجر و ثواب سے جوڑ کر دلوں کی اصلاح کا ذریعہ بنا دیا۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ مصافحہ اور معانقہ احادیث نبویہ سے ثابت محبت و اخوت کے اعمال ہیں۔ مصافحہ ملاقات کا سنت طریقہ ہے جس پر مغفرت کی بشارت ہے، معانقہ خاص مواقع خصوصاً سفر سے واپسی پر ثابت و پسندیدہ ہے۔ ان کے آداب میں سلام سے ابتدا، خندہ پیشانی، جھکنے سے اجتناب، موقع کی رعایت اور شرعی حدود کی پابندی شامل ہیں۔ جو شخص ان آداب کو اپنائے گا اس کی ملاقاتیں دلوں کو جوڑنے والی بن جائیں گی اور یہی اسلامی معاشرت کی اصل خوبصورتی ہے۔

AIOU LIBRARY aioulibrary.com